© rasailojaraid.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

پاکستان گزشتہ کئی برس سے جن حالات سے گزر رہا ہے انہیں دیکھتے ہوئے یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس ملک کے باشندے خداوند تعالیٰ کی رحمت کو نہیں بلکہ اس کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ سیاسی اضطراب، معاشی بدحالی، مہنگائی، غنڈہ گردی، چور بازاری، جان و مال کا زیاں، لوگوں کی عزت و آبرو پر حملے، ظالم حکمرانوں کی چیرہ دستیاں اور جابر اور خدا کے خوف سے عاری عُمّالِ حکومت کی زیر دست آزاریاں زندگی کا معمول بن گئی ہیں۔ چنانچہ اس ملک کا ہر فرد اپنے آپ کو شدید عذاب میں گرفتار پا رہا ہے۔

قومی سطح پر بھی ہر شخص پوری شدت سے اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اس قوم پر اللہ کی رحمت کا سایہ نہیں بلکہ نحوست کی پرچھائیں پڑ رہی ہیں اور اسی وجہ سے دنیا کی قوموں میں اس کی ساکھ گر گئی ہے۔ وہ بھارت جو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اس سے منہ کی کھا چکا تھا ۱۹۷۱ء میں اسی سے نصف ملک چھین لے گیا ہے اور دنیا میں اس ملک کو جس احترام کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے اُس کا اندازہ اُس پذیرائی سے کیا جا سکتا ہے جو حال ہی میں وزیرِاعظم بھٹو کے غیر ملکی دورے کے دوران مختلف ممالک میں ہوئی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ان اَن گنت مصائب و شدائد کو دیکھتے ہوئے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مالک الملک ہم سے کسی قدر ناراض ضرور ہے۔

خداوند قدوس کی ناراضگی کا اظہار اُن آفاتِ ارضی و سماوی سے بھی ہوتا ہے جو ہم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہتی ہیں خصوصاً حالیہ سیلاب نے اِس ملک کو جس خوفناک تباہی سے دوچار کیا ہے اُسے دیکھتے ہوئے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات کی ناراضگی جو مختلف تنبیہات کی صورت میں گزشتہ بیس سالوں میں رونما ہوتی رہی ہے اب غضب کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے اور معاملہ تنبیہ اور سرزنش سے گزر کر عقوبت و عذاب تک آ پہنچا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال یہ ہے کہ کیا خداوند تعالیٰ نے یونہی بغیر کسی وجہ کے پاکستان پر سے اپنا دستِ شفقت و رحمت ہٹالیا ہے یا اہلِ پاکستان نے کوئی ایسی روش اختیار کی ہے جس کی وجہ سے وہ ان سے ناراض ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی قوم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ اسے اس پر مسلط کرتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۔ (النساء: ۱۴۷)

آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکرگزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدردان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۔ (الطلاق: ۸-۹)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بری طرح سزا دی۔ انہوں نے اپنے کیے کا مزا چکھ لیا اور ان کا انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

جو خدا انسان کے لیے اس کے ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور رحیم ہے اور جس کی صفتِ رحمت اُس کی دیگر تمام صفات پر حاوی ہے وہ ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی وجہ سے تو اُن پر عذاب مسلط نہیں کرسکتا وہ یہ فیصلہ اُسی وقت کرتا ہے جب کسی قوم کی عظیم اکثریت جان بوجھ کر خدا سے بغاوت اور سرکشی کی راہ اختیار کرے اور بار بار کی تنبیہات کے باوجود اس روش کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو اور مالک الملک کی نافرمانی میں زیادہ دلیر اور جری ہوتی چلی جائے اور اپنی ہر آن بڑھتی ہوئی بداعمالیوں کی بنا پر خدا کے غضب کو بھڑکائے۔ قرآنِ مجید نے اُس راہ کو جس پر چل کر کوئی قوم عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوتی ہے اپنے بلیغانہ انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ

تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور ان قوموں کو مصائب و آلام

© rasailojaraid.com

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۔ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ
بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا
فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً
فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۔ فَقُطِعَ دَابِرُ
الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ

(الانعام ۴۲-۴۵)

میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے
سامنے جھک جائیں۔ پس جب ہماری طرف
سے اُن پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی
اختیار کی؟ مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور
شیطان نے اُن کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر
رہے ہو خوب کر رہے ہو۔ پھر جب انھوں نے
اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھلا دیا تو ہم
نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان پر
کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اُن بخششوں
میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے
تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اُس وقت وہ
خیر سے بالکل مایوس تھے اس طرح اُن لوگوں
کی جڑ کاٹ دی گئی جنھوں نے ظلم کیا تھا۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے بڑی جامعیت کے ساتھ ان ساری منازل کی نشاندہی کر دی ہے جو قوموں کو عذاب کی طرف لے جاتی ہیں۔ جب کوئی قوم احکامِ خداوندی کو پسِ پشت ڈالتی ہے تو اسے تنبیہ کے طور پر مختلف مصائب و آلام سے دوچار کیا جاتا ہے تاکہ وہ غلط روش سے ہٹ کر نیکی اور خدا ترسی کی راہ اختیار کرے۔ اِن مصائب کی کئی ایک صورتیں ہوتی ہیں مثلاً غلے اور پھلوں کی کمی، تندو تیز ہواؤں کا چلنا، ملک کا مختلف وباؤں کی لپیٹ میں آجانا، آبادی پر دوسری قوموں اور سلطنتوں کی ہیبت طاری ہو جانا اور عوام کے اندر اخلاقی انحطاط اور اس سے پیدا ہونے والے دوسرے عوارض —— عذابِ الٰہی کی چھوٹی چھوٹی صورتیں ہیں جو گم کردہ راہ انسانوں کو بار بار جھنجھوڑتی ہیں کہ وہ اللہ سے بغاوت کی راہ ترک کر کے حق و صداقت کی راہ پر گامزن ہوں۔ مگر جب وہ اِن تنبیہات سے کوئی اثر نہیں لیتے بلکہ سرکشی کی راہ جسے شیطان نے غلط قسم کی دنیوی ترغیبات سے مزین کر رکھا ہوتا ہے، پر بڑی سرعت سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر تنبیہات کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور اِن خدا ناشناس انسانوں کو قدرت ہر وہ چیز فراہم کرتی ہے جس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ خدا اور آخرت سے بالکل غافل ہو کر اور شیطان کے بندے بن کر زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ علیم و خبیر ذات جب یہ محسوس کرتی ہے کہ اُن کے اندر کا جوہر انسانیت بالکل ختم ہو چکا ہے جس کے زیر اثر ان کا راہِ راست پر آنا ممکن تھا تو ان کے وجود کو اس طرح مٹا دیتی ہے کہ اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا صرف عبرت کی داستانیں باقی رہ جاتی ہیں جن سے عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑتے ہیں۔ کسی فرد یا قوم کے لیے خدا کی طرف سے اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اُسے اہلِ دنیا کے لیے سامانِ عبرت بنا دیا جائے۔

قرآنِ مجید نے جہاں عذاب الٰہی کی مختلف منازل اور صورتوں کا ذکر کیا ہے وہاں اس نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اُن اسباب کو بھی بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے کسی قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے۔ ان صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان سارے اسباب کا ذکر کیا جائے جو کتاب و سنت میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہم صرف چند نمایاں اسباب بیان کرتے ہیں۔ خدا کے غضب کو انسان کا جو عمل سب سے زیادہ بھڑکاتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کا بندہ اس کی کائنات میں ظلم کا ارتکاب کرے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں مذکور ہے:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ۔

(یونس: ۱۳)

تم سے پہلے کی قوموں کو (جو اپنے اپنے زمانہ میں برسرِ عروج تھیں) ہم نے ہلاک کر دیا جب انھوں نے ظلم کی روش اختیار کی اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور انھوں نے ایمان لا کر نہ دیا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے جرائم کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اہلِ لغت کے نزدیک ظلم کے معنیٰ ہیں وضع الشیء علی غیر محلہ یعنی کسی چیز کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اسے اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔ اسی سے ظَلَمْتُ السقاء کا محاورہ ہے جس کے معنیٰ ہیں مشکیزہ میں دودھ جمنے کے لیے رکھا اور دہی بننے سے پہلے ہی پی لیا۔ ایسے دودھ کو ظلیم کہتے ہیں اسی طرح عربی میں ظلمتُ الارض کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے زمین کو ایسے مقام سے کھودا جہاں سے اسے کھودنا نہیں چاہیے تھا۔ اس قسم کی زمین کو مظلومۃ کہا جاتا ہے۔ لفظِ ظلم کے معنیٰ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسعتوں کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ادائے حقوق میں ہر قسم کی کمی بیشی خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد یا خود انسان کے اپنے جسم و جان کے حقوق ——— ظلم کے دائرے میں آتی ہے۔ انسان کا اس سے بڑا جرم کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ وہ شعور و وقوف کی قوتوں سے بہرہ مند ہونے کے باوجود جادۂ مستقیم سے ہٹ کر ظلم کی راہ اختیار کرے۔ یوں تو ہر گناہ اور ہر جرم پورے معاشرہ پر اثر انداز ہوتا ہے مگر ظلم ایک ایسا گناہ ہے جس سے نہ صرف پورے معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے بلکہ انسان اور خالق کے مابین، انسان اور انسان کے درمیان اور انسان اور کائنات کے درمیان فطرت نے جس قدر رشتے قائم کر رکھے ہیں وہ زیر و زبر ہونے لگتے ہیں۔ خالق کائنات اس زبردست بگاڑ کو کب تک گوارا کر سکتا ہے۔ چنانچہ جب کسی قوم کی بھاری اکثریت ظالمانہ روش اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس پر عذاب مسلط کر کے یا تو دنیا سے محو کر دیا جاتا ہے یا اس کی قوت کو اس انداز سے منتشر کیا جاتا ہے کہ وہ قوم دنیا میں بالکل بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے اور اجتماعی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے دائرے میں بھی اس کا کوئی اثر یا عمل دخل باقی نہیں رہتا اور دنیا کی زمام کار ان لوگوں کو سونپی جاتی ہے جو ظلم کی راہ چھوڑ کر اور ظلم اور ناانصافیوں کے اثرات کو مٹا کر انفرادی اور اجتماعی زندگی کو حق و صداقت کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔

ظلم ہی کی ایک دوسری صورت جس سے اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی آیات کو جھٹلایا جائے۔ اسی سلسلے میں قرآنِ مجید کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا
مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ
بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ
وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۔

(الانفال: ۵۳-۵۴)

اللہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ آل فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطہ کے مطابق تھا انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تب ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہلاک کر ڈالا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب

ظالم لوگ تھے۔

ائمۂ لغت نے لفظِ آیت کے اشتقاق کے بارے میں تو اختلاف کیا ہے مگر اس بارے میں سب متفق ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق روشن اور واضح نشانی پر ہوتا ہے جسے جھٹلانے کے لیے بجز ہٹ دھرمی کے اور کوئی وجہ نہیں ہوتی قرآنِ مجید میں یہ لفظ آیاتِ قرآنی کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے اور اُن نشانیوں کے لیے بھی جو انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً سورہ العنکبوت میں ہے:

بَلْ هُوَ آيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۔
(العنکبوت ۴۹)

بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم
دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) اور
ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں
جو ظالم ہیں۔

اسی طرح سورۂ یوسف میں آیات کا لفظ اُن روشن دلائل کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے خالقِ کائنات نے آسمان اور زمین میں قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ
(یوسف: ۱۰۵)

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں
جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا
توجہ نہیں دیتے۔

جس طرح ایک فرد فضائے بسیط میں ہر طرف پھیلے ہوئے نور کا اگر انکار کر دے تو اس کے بارے میں دو ہی راہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ آنکھوں سے یکسر اندھا ہے کہ سورج کی روشنی کو دیکھ نہیں پاتا یا پھر وہ پرلے درجے کا ضدی اور ہٹ دھرم ہے کہ ایک واضح اور روشن چیز کا ڈھٹائی سے انکار کر رہا ہے۔ جب کسی قوم میں عقل کے اندھے اور نیت کے کھوٹے افراد کی کثرت ہو جائے اور یہی لوگ معاشرے میں سیاہ و سفید کے مالک ہو بن تو اس معاشرے کا وجود دنیا اور اہلِ دنیا کے لیے موجبِ خیر و برکت نہیں رہتا بلکہ پریشانی اور مصیبت کا باعث بن جاتا ہے اس کے وجود سے حق اور اس کی قوتوں کو نقصان پہنچتا ہے اور باطل اور اس کی قوتوں کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس صورتِ حال سے اُن ساری اقدار کو شدید صدمہ پہنچتا ہے جن کے بل بوتے پر انسان بحیثیت انسان دنیا میں زندہ رہتا ہے جب اللہ تعالیٰ ان اقدار کو شدید خطرے میں گھرا ہوا پاتا ہے تو پھر جو لوگ انہیں تباہ و برباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے درپے ہوتے ہیں اُن کی قوت کو توڑنے کا التزام کرتا ہے کیونکہ وہ یہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا کہ انسانیت کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ انسانیت کو بچانے کے لیے اگر اسے چند سو یا چند ہزار یا چند لاکھ انسان نما شیاطین کو ختم کرنا پڑے تو وہ کرتا ہے اور انسانیت اور اس کی بنیادی اقدار کو بہر طور بچاتا ہے۔

خدا کے غضب کو بھڑکانے والے ان دو اسباب کے علاوہ تیسرا سبب یہ ہے کہ انسان خدا کی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے ناسپاس گزاری کا مذموم طرزِ عمل اختیار کرے۔ مثلاً اگر کسی شخص کی صحت خراب ہو اور شافیٔ مطلق اسے شفائے کامل سے بہرہ ور کر دے تو وہ اس ذات کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالانے کے بجائے اپنی صحت کو ان کاموں میں تباہ کرنے لگے جو قادرِ مطلق کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہوں۔ اسی طرح غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اور معاشی بدحالی میں گرفتار کوئی قوم اگر خداوند تعالیٰ سے آزادی اور معاشی خوشحالی کی طالب ہو اور اس سے یہ وعدہ کرے کہ غلامی کے بندھن ٹوٹنے اور معاشی بدحالی دور ہونے کی وجہ سے اسے دنیا میں جو اقتدار اور قوت و طاقت نصیب ہوگی وہ اسے حق و صداقت کا علم بلند کرنے کے لیے صرف کرے گی لیکن جب اللہ تعالیٰ اسے یہ منہ مانگی نعمتیں عطا کر دے تو پھر وہ باطل قوتوں کے ساتھ مل کر باطل کا بول بالا کرنے میں منہمک ہو جائے ایسی ناسپاس گزار، عہدہ خلاف اور باطل کی حمایت کرنے والی قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح مدتِ دراز تک دنیا میں سربلند رکھ سکتا ہے۔ وہ اصلاحِ احوال کے لیے مناسب مدت تک موقع ضرور دیتا ہے مگر جب اس کی روش میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو پھر عزت و سربلندی کے مقام سے ہٹا کر ذلت و پستی کے مہیب غاروں کی طرف دھکیل دیتا ہے اور خوشحالی کے بجائے اُن پر افلاس و مسکنت مسلط کر دی جاتی ہے۔ سورۂ سبا میں کفرانِ نعمت کے نتیجے میں آنے والے عذاب کا خاص طور پر ذکر موجود ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ۔ (سبا: ۱۵-۱۶)	سبا کے لیے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی دو باغ دائیں اور بائیں۔ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا، ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا۔ مگر وہ منہ موڑ گئے آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ کی یہ عظیم نعمت یاد دلائی جو انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے سلسلہ میں عطا کی گئی اور جس کے حصول کے بعد ان سے اس بات کی بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اس خوفناک عذاب سے بچ نکلنے کے بعد اللہ کے اطاعت گزار بندے بن کر زندگی بسر کریں گے (باقی برصفحہ ۴۶ پر)

© rasailojaraid.com